© rasailojaraid.com

ابراہیم یوسف باوا رنگونی (برطانیہ)

تخلیقِ انسانی کا مقصد

بات ہر شخص کے علم میں ہے کہ کسی ملک کا کوئی باشندہ کسی جرم کا ارتکاب کرے، اُسے اس ملک کے قانون کے مطابق سزا دی جاتی ہے چاہے وہ شخص ملک کا ایک ادنیٰ اور معمولی باشندہ ہو یا کوئی بااثر بشرطیکہ اس ملک میں عدل وانصاف قائم ہو ورنہ لوگ رشوت وغیرہ دے کر چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے یہ چھٹکارا عارضی ہوگا، مرتے ہی اُس کی گردنیں پکڑی جاویں گی اور وہ موت، برزخ اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔

اگر مجرم ملک کا رکھوالا ہو اور لوگوں کی جان ومال اور آبرو کا محافظ ہو پھر وہ جرم کرے تو اُس کی سزا ادنیٰ ومعمولی شخص کے مقابلے میں زیادہ دی جاتی ہے اور عُرف عام میں یوں کہا جاتا ہے کہ او کم بخت تو میری وصیت کا رکھوالا اور محافظ ہو کر جرم کرتا ہے! تیرا جُرم کرنا تو درکنار تیرا جُرم کے بارے میں سوچنا بھی سخت جُرم ہے لہٰذا اُسے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ سزا دی جاتی ہے۔ یہ ہے دنیا کا قانون۔

بنی نوع انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا خلیفہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط (البقرہ ۲:۳۰) یعنی اپنا سفیر (AMBASSADOR) بنا کر بھیجا حالانکہ فرشتوں نے اس کا اعتراض بھی کیا تھا کہ ہم آپ کی عبادت کے لیے کیا کم ہیں کہ انسان کو پیدا کر کے دنیا کی سرزمین کا مالک بنا دیں جہاں جا کر وہ خونریزی کریں گے؟

لیکن اللہ تعالیٰ کی چاہت انسان کو پیدا کرنے کی یہ تھی کہ وہ شیطان ونفس کی شرارت اور بہکانے سے بچتے ہوئے اور نفس کشی کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے اور مرنے کے بعد اس کا بہترین بدلہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی حاصل کرے، اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل کرے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جنّت میں آرام وراحت کی زندگی حاصل کرے۔

جن وانس کی تخلیق کا مقصد: اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔ (الذریٰت ۵۱: ۵۶)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ   اور میں نے جن اور انسان کو (دراصل) اس واسطے پیدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ۔	کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔

(معارف القرآن ج ۸ صفحہ ۱۷۱)

ف ۱: آیتِ شریفہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان دنیا کی ہر چیز کو چھوڑ چھاڑ کر رہبانیت اختیار کرے، کسی جنگل میں جا کر اللہ اللہ کر کے زندگی پوری کرے بلکہ مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر اپنے نفس اور شیطان کے دھوکوں سے بچتے بچاتے ۲۴ گھنٹے رب چاہی زندگی گزارے، اپنے پیارے نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک طریقوں کو اپنائے اور ان چیزوں کو اپنے متعلقین خصوصاً اہل و عیال اور پوری اُمت میں حسبِ استطاعت پھیلائے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب وسوسہ آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارکہ میں میری ایک حالت ہوتی ہے اور گھر والوں کے درمیان رہتا ہوں تو حالت بدل جاتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے آپ کو منافقت پر رہنے کا تصور کیا۔ پھر جب یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا۔

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جیسا کہ میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تمہارے بستروں اور راستوں میں (تم سے) مصافحہ کرنے لگیں لیکن حنظلہ! بات یہ ہے کہ گاہے گاہے، گاہے گاہے"۔ (حیاۃ الصحابہ ص۳۶)

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ نے فرمایا کہ تمہارے لیے کبھی یہ حالت بہتر ہے اور کبھی وہ ...... اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ بندہ ہر وقت استحضار تام ہی حاصل رہے ورنہ عمارتِ دنیا کے کام کون کرے؟ [1]

ف ۲: آیت شریفہ یعنی ہم نے جنات اور انسان کو عبادت کے سوا کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا، اس میں دو اشکال ظاہر نظر میں پیدا ہوتے ہیں، اوّل یہ کہ جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص کام کے لیے پیدا کیا ہے، اور اس کا ارادہ یہی ہے کہ یہ مخلوق اس کام کو کرے تو عقلی طور پر یہ ناممکن و محال ہوگا کہ پھر وہ مخلوق اس کام سے انحراف کر سکے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے خلاف کوئی کام محال ہے، دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت میں انسان اور جن کی تخلیق کو صرف عبادت میں منحصر کر دیا گیا ہے، حالانکہ ان کی پیدائش میں علاوہ عبادت کے دوسرے فوائد اور حکمتیں بھی موجود ہیں۔

پہلے اشکال کے جواب میں بعض حضرات مفسرین نے اس مضمون کو صرف مؤمنین کے ساتھ مخصوص

---

[1] تفصیل کیلئے محترم باوا صاحب کا مضمون "دعوت و عمل کا تلازم" دیکھئے ماہنامہ الحق دسمبر ۱۹۹۳ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرار دیا ہے، یعنی ہم نے مؤمن جنات اور مؤمن انسانوں کو بجز عبادت کے اور کام کے لیے نہیں بنایا اور مومنین ظاہر ہے کہ عبادت کے کم و بیش پابند ہوتے ہیں، یہ قول ضحاک اور سفیان وغیرہ کا ہے، اور حضرت ابن عباسؓ کی ایک قراءت آیت مذکورہ میں لفظ مؤمنین مذکور بھی ہے، اور قرأت اس طرح ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ اس قرأت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ مضمون صرف مؤمنین کے حق میں آیا ہے، اور خلاصۂ تفسیر میں اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ اس آیت میں ارادۂ الٰہیہ سے مراد ارادۂ تکوینی نہیں ہے جس کے خلاف کا وقوع محال ہوتا ہے بلکہ ارادۂ تشریعی ہے، یعنی یہ کہ ہم نے اُن کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم اُن کو عبادت کے لیے مامور کریں۔ امرالٰہی چونکہ انسانی اختیار کے ساتھ مشروط رکھا گیا ہے، اس کے خلاف کا وقوع محال نہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تو حکم عبادت کا سب کو دیا ہے مگر ساتھ ہی اختیار بھی دیا ہے اس لیے کسی نے اپنے خداداد اختیار کو صحیح خرچ کیا، عبادت میں لگ گیا، کسی نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، عبادت سے منحرف ہوگیا، یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی رحؒ نے نقل کیا ہے، اور زیادہ بہتر اور بے غبار توجیہ وہ ہے جو تفسیر مظہری میں کی گئی ہے کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ہم نے اس کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو، چنانچہ ہر جنّ و انس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی موجود ہے، پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کرکے کامیاب ہوتا ہے، کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوت میں ضائع کر دیتا ہے، اور اس مضمون کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ (یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو (اس فطرت سے ہٹا کر کوئی) یہودی بنا دیتا ہے کوئی مجوسی، فطرت پر پیدا ہونے سے مراد اکثر علماء کے نزدیک دینِ اسلام پر پیدا ہونا ہے، تو جس طرح اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر انسان میں فطری اور خلقی طور پر اسلام و ایمان کی استعداد و صلاحیت رکھی جاتی ہے، پھر کبھی اس کے ماں باپ اس صلاحیت کو ضائع کرکے کفر کے طریقوں پر ڈال دیتے ہیں، اسی طرح اس آیت میں (إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ جنّ و انس کے ہر فرد میں اللہ تعالیٰ نے استعداد اور صلاحیت عبادت کی رکھی ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف القرآن ج ۸ ص۱۷۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منظور احمد نعمانی مدیر احیاء العلوم ظاہر پیر رحیم یار خاں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رثاء الشیخ العلام محمد عبداللہ درخواستی قدس سرہٗ

۱۔ وانظم عقد الدمع من اجل غارب — وجیه کریم بالمدارس راغب

میں آنسو کے ہار پروتا ہوں غروب ہونے والے چاند پر — جو کہ صاحب وجاہت سخی اور مدارس سے محبت کرنے والے تھے

۲۔ سقی اللہ جدث العلم غیث فیوضه — ونوّره بالفضل مثل الثواقب

اللہ تعالیٰ علم کی قبر کو اپنے فیوض کی بارش سے سیراب کریں — اور اسکو اپنے فضل سے چمکدار چیزوں کی طرح روشن فرمائیں

۳۔ فیا قبر هل واریت جبل عزیمة — ومخزن تفسیر و نجر المواهب

اے قبر تعجب ہے کہ تونے عزیمت کے پہاڑ — اور تفسیر کے خزانہ اور بخشش کے سمندر کو اپنے اندر چھپا لیا

۴۔ وقد ملأ الآفاق فی طول عمره — بعلم و عرفان و ضوء الکواکب عہ

حالانکہ اس نے اپنی طبعی زندگی میں تمام اطراف عالم کو — علم و معرفت اور ستاروں کی چمک سے پُر کر دیا تھا۔

۵۔ ویا خیر مدفون ترکت قلوبنا — حیاریٰ وعطشیٰ من نفود السحائب

اے بہترین مدفون تونے ہمارے دل اس حال میں چھوڑے — کہ وہ حیران اور پیاسے ہیں بوجہ گم کرنے بادلوں کے

۶۔ شربت صبوح الوصل یا ساقی البحار — فصرت به سکران حتی العواقب

اے سمندروں کے پلانے والے تونے صبح کے وقت شراب وصل پی لی — جس کا نشہ انجاموں تک یعنی قیامت تک رہے گا

۷۔ رحلت من الدنیا ابا الفضل وحده — وغادرت منظورا ابدمع ساکب

اے فضل کے ابا جان اس دنیا سے تو اکیلا کوچ کر گیا — اور اپنے منظور کو بہتی آنسو کے ساتھ چھوڑ گیا۔

بنات فکر منظور احمد نعمانی مدیر احیاء العلوم ظاہر پیر رحیم یار خاں۔

عہ مدارس مراد ہیں۔

© rasailojaraid.com